(ص ۳۹۵)۔

دو تین باتیں توجہ طلب ہیں:

اول: واقعات کو چننے یا چھوڑنے کے لیے صوابدید تو مرتب ہی کی ہوتی ہے' لیکن جان بوجھ کر واقعات کی ٹیلرنگ کرنا نامناسب ہوتا ہے۔ اگرچہ ایسا بہت زیادہ نہیں کیا گیا پھر بھی کہیں کہیں پر ایسا کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر "۱۰ دسمبر ۱۹۷۲: لاہور میں طلبہ کی ایک تعداد کو گرفتار کر لیا گیا" (ص ۳۹۶)۔ یہ جملہ ادھورا سچ ہے۔ تمام اخبارات نے ان گرفتاریوں کا محرک یہی لکھا تھا: بنگلہ دیش نامنظور تحریک کے سلسلے میں اسلامی جمعیت طلبہ کے حمایت یافتہ منتخب طلبہ نمایندوں کے کنونشن سے طلبہ کو گرفتار کیا گیا۔ مذکورہ صفحے پر سیاق و سباق سے کٹے ہوئے جملے کو پیش کرنے سے اس قاموس کی روح متاثر ہوتی ہے۔

دوم: چودہ کروڑ باشندگان پاکستان کی سرکاری اور قومی زبان اردو ہے۔ کیا ان کے قیمتی وسائل سے ایسی تمام دستاویزات محض انگریزی ہی میں پیش کرنا ناگزیر ہے؟ حالانکہ انگریزی سے استفادہ کرنے والے تو اقلیت میں ہیں۔ کیا یہ اردو قارئین کی اکثریت کی حق تلفی نہیں کہ ریاست کے تمام وسائل اس چبیتے طبقے کے لیے وقف کر دیے جائیں؟ کارپردازاں ریاست و حکومت کو اس غلامانہ ذہنیت سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے۔ یہ اور اس طرح کی تمام دستاویزات اور قانون سازی سے متعلق تمام وثائق کو بہ یک وقت اردو میں بھی شائع کرنا چاہیے۔ یہ محض ایک خواہش کا اظہار نہیں' بلکہ خود دستور پاکستان کا بھی تقاضا ہے۔

سوم: افراد کے انتقال کی خبر کے ساتھ توسین میں پیدایش کی تاریخ بھی دی جانی چاہیے تھی۔

چہارم: پہلے دس سال کے واقعات کا اندراج بہت کم ہے' پھر اگلے پندرہ برسوں کا نسبتاً زیادہ اور اس کے بعد کے ۲۵ برس خاصی تفصیل لیے ہوئے ہیں۔ اگر ایک جلد کے بجاے اسے دو حصوں میں تیار اور شائع کیا جاتا تو' پاکستان کے تشکیلی دور کی مفصل تصویر سامنے آجاتی۔

اس کے باوجود یہ کتاب ایک اہم دستاویز کا درجہ رکھتی ہے (س - م - خ)۔

تحریک علی گڑھ تا قیام پاکستان و قرارداد مقاصد ڈاکٹر ایچ بی خان۔ ناشر: الحمد اکادمی' ۲۔ جے' ۱۸ ناظم آباد' کراچی ۷۴۶۰۰۔ صفحات: ۲۶۶۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔

سرسید احمد خان اور ان کی تحریک علی گڑھ پر گذشتہ صدی میں بیسیوں کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔ زیر نظر کتاب' بانی تحریک کے سوانح اور تحریک کی تاریخ کو باہم آمیز کر دینے کے عزم سے لکھی گئی ہے اور اس کی اشاعت سرسید یونی ورسٹی کراچی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے "جشن سرسید" (۲۱ تا ۲۷ مارچ ۱۹۹۸) کے موقع پر عمل میں آئی تھی۔

کتاب ۱۹ ابواب پر مشتمل ہے جن میں سرسید کے سوانح سے لے کر سید جمال الدین افغانی کے ہاں اسلام ازم، شبلی اور دارالمصنفین، رفقاے سرسید: نواب محسن الملک، نواب وقار الملک کے سوانح، ہندستانی سیاست میں علما کا کردار، مختلف قومی تحریکوں، ریشمی رومال، خدام کعبہ، عدم تعاون، ہجرت اور برعظیم کی مختلف سیاسی جماعتوں کانگرس، مسلم لیگ، احرار، جمعیتہ العلماے ہند وغیرہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مصنف ایک "ریسرچ اسکالر" ہیں اس لیے کتاب محققانہ طریقے پر مرتب کی گئی ہے۔ ہرباب کے آخر میں متعلقہ حواشی درج ہیں۔ آخر میں کتب اردو، کتب انگریزی، اخبارات و جرائد، ذاتی خطوط، اور رودادوں وغیرہ کی ایک طویل فہرست ہے جن سے مصنف نے تصنیف میں استفادہ کیا ہے۔ حوالہ جات و حواشی اور مطالب و مندرجات سے فاضل مصنف کی اس محنت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو انھوں نے اس کتاب کی تصنیف میں اٹھائی ہے۔ کتاب کے آخر میں درج اشتہارات سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مصنف اس سے پہلے بھی برعظیم کی سیاسی تاریخ پر کتابیں لکھ چکے ہیں۔ اس کتاب کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں تحریک آزادی کے بعض ایسے پہلوؤں پر بھی توجہ کی گئی ہے جو بالعموم جدوجہد آزادی کے مورخوں کی نگاہوں سے اوجھل رہ جاتے ہیں۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنف، سرسید کے حوالے سے واضح نہیں ہیں کیونکہ انھوں نے ایک طرف تو سرسید کی کاوشوں کو "حقیقت پسندی اور آفاقی و فطری رجحانات سے دور" (ص ۲۴۴) قرار دیا ہے اور دوسری طرف سرسید کا کارنامہ یہ بتایا ہے کہ انھوں نے قوم میں مذہبی جوش اور جذبے کو ابھار کر اسے ایک چٹان کے مانند بنا دیا (ص ۲۴۵)۔ کیا آفاقی و فطری رجحانات سے دور رہ کر بھی مذہب کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں؟ اور کیا سرسید کے مذہبی افکار و نظریات کو قوم میں اس قدر مقبولیت حاصل ہو گئی تھی کہ وہ ان کی بنا پر چٹان بن گئی؟

اگر فاضل مصنف اشاعت سے قبل مسودے پر بہ غور نظرثانی فرما لیتے تو مناسب ہوتا کیونکہ بعض جملے کمزور رہ گئے ہیں اور بعض مقامات پر مطلب بھی خبط ہو گیا ہے، مثلاً: انھوں نے پریس میں ان کے خلاف اشاعت کے لیے مواد لکھنے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا (ص ۱۰۴) یا بعد المشرقین کا فرق (ص ۱۰۷) یہ لکھنے کے بعد کہ مولانا محمد علی جوہر کو علی گڑھ میں استاد کی حیثیت سے پڑھانے کا موقع نہیں ملا، مصنف نے لکھا ہے: وہ اپنے دل سے مادر درس گاہ کی خدمت اور ناکامی کے احساس کو فراموش نہ کر سکے جو بطور استاد وابستہ ہونے کی بنا پر ان کو محبت تھی (ص ۱۰۵)۔

مصنف نے ثانوی مآخذ فراخ دلی سے استعمال کیے ہیں یہاں تک کہ قرآن مجید (سورۃ احزاب) کا حوالہ بھی موج کوثرؒ کے حوالے سے درج کیا ہے (ص ۱۱۹)۔

کتاب کے نام میں جو تطویل ہے اس نے نام کو غیر متوازن بنا دیا ہے۔ اس طرح کے پہلوؤں کو دوسری